R. No. 2186/57 Regd. No. L. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت

جلد ۲۴ - شمارہ ۱۲ | ایڈیٹر :- آل احمد سرور | ۲۲ - مارچ ۱۹۶۵ء

ادیبوں کی اپیل

انجمن نے یہ طے کیا ہے کہ اردو کے ادیبوں، شاعروں اور مصنفوں کی طرف سے صدر جمہوریہ سے اپیل کی جائے کہ وہ دفعہ ۳۴۷ کے تحت اپنے اختیارات سے کام لے کر اتر پردیش، بہار، پنجاب اور دہلی میں اردو کو سرکاری زبان قرار دیں اور دوسری ریاستوں میں جہاں اردو بولنے والوں کی معقول تعداد موجود ہو، اس کی تعلیم کے لیے سہولتیں مہیا کرنے کی ہدایت کریں۔

ہم نے اپیل پر دستخط کے لیے ہر ریاست میں ادیبوں کی کمیٹی کا ایک کنوینر نامزد کر دیا ہے۔ یہ کمیٹی ریاستی شاخوں کی مدد سے کام کرے گی۔ کنوینر کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی سہولت کے مطابق نو یا گیارہ ادیبوں کی ایک کمیٹی بنالے۔ اس کمیٹی کا کام ادیبوں سے اس اپیل پر دستخط کرانا ہوگا جس کا مسودہ درج ذیل ہے۔ آسام، گجرات، اڑیسہ اور کیرل کے ناموں کا اعلان بعد میں ہوگا۔ کنوینر صاحبان کو علیحدہ خط بھی جاری کیے گئے ہیں۔ دستخطوں کے بعد ادیبوں، شاعروں اور مصنفوں کا ایک وفد صدر جمہوریہ سے ملے گا۔

کنوینر صاحبان کے نام یہ ہیں :-

۱ - اتر پردیش	آنند نرائن ملا	۷ - دہلی	گوپی ناتھ امن
۲ - بہار	غلام سرور	۸ - کشمیر	غلام رسول نازکی
۳ - بنگال	پرویز شاہدی	۹ - راجستھان	احترام الدین شاغل
۴ - آندھرا	مخدوم محی الدین	۱۰ - میسور	محمود ایاز
۵ - مہاراشٹر	سکندر علی وجد	۱۱ - مدراس	عبدالوہاب بخاری
۶ - پنجاب	جوش ملسیانی	۱۲ - مدھیہ پردیش	کوثر چاندپوری

اپیل کا مسودہ درج ذیل ہے :-

ہم اردو کے مصنف، ادیب اور شاعر قومی یک جہتی جمہوریت کے اعلیٰ مقاصد اور مشترک تہذیب کے نام پر صدر جمہوریہ سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اردو کو جو ہندوستان کی چودہ قومی زبانوں میں سے ہے اتر پردیش، بہار، پنجاب اور دہلی کے علاقے میں دستور کی دفعہ ۳۴۷ کی رو سے سرکاری زبان قرار دیں اور دوسری ریاستوں میں بھی جہاں اردو بولنے والوں کی خاصی تعداد ہو ابتدائی اور ثانوی تعلیم اردو کے ذریعے سے دیے جانے کی ہدایت کریں۔ اور اردو کے چلن میں سہولتیں بہم پہنچائیں۔

آزادی کے بعد ہمارا خیال تھا کہ جس طرح اور قومی زبانوں کو فروغ ہوگا اسی طرح اردو زبان و ادب کی ترقی کے لیے بھی راہیں کھلیں گی مگر ہمیں یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے کہ کئی ریاستوں میں اردو زبان کی تعلیم کا مناسب انتظام نہیں کیا گیا ہے اور اس کے چلن کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں ڈالی گئی ہیں۔ ہم یہ اعلان کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ روش نہ صرف قومی مقاصد کے خلاف ہے بلکہ اس کی وجہ سے ہندوستان کی آبادی کے ایک قابل لحاظ حصہ کی شخصیت کی نشو و نما پوری طرح نہیں ہو سکتی اور نہ یہ طبقہ ملک کی ترقی اور تعمیر میں بھرپور حصہ لے سکتا ہے جس کی وجہ سے پوری قوم کا نقصان ہوتا ہے۔

۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے اعداد ہمارے سامنے ہیں اور اگرچہ ہمارے یہ کہنے کے لیے کافی وجوہ ہیں کہ اردو کے سلسلے میں جو اعداد و شمار شایع کیے گئے ہیں وہ حقیقت کی ترجمانی نہیں کرتے لیکن ان اعداد و شمار کے مطابق بھی ہندوستان میں اردو بولنے والوں کی تعداد

اس شمارے میں

۲،۳۳،۲۲،۰۰۰ ہے۔ جس میں [illegible] بہار میں ہیں۔

اردو زبان جدید ہندوستانی زبان ہے جو کھڑی بولی سے نکلی ہے۔ اس کی ابتدائی تحریریں چند صدیوں [illegible] ملتی ہیں اور تقریباً پانچ سو برس سے اس میں بول چال اور تصنیف [illegible] اس زبان کا ایک شاندار ادب ہے جس میں ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں، عیسائیوں اور دوسرے فرقوں کے لوگوں نے برابر کا حصہ لیا ہے۔ اس کے ذریعے سے اعلیٰ تعلیم بھی دی جا چکی ہے۔ اور ہندوستان کے طول و عرض میں یہ آج بھی سمجھی جاتی ہے۔ جدید ہندوستانی زبانوں کے بولنے والوں میں اس کے بولنے والے پانچویں نمبر پر ہیں۔ اس کے ادب نے زندگی کے ہر موڑ کا ساتھ دیا ہے اور اس میں ہندوستان کی تاریخ، تہذیب، معاشرت اور مزاج کا ہر رنگ ملتا ہے۔ اس نے جنگ آزادی میں بھی ایک ایسا رول ادا کیا ہے جو کسی زبان سے کم نہیں۔ افسوس ہے کہ تنگ نظری اور تعصب کی وجہ سے ایک ایسی قومی زبان کو اس کے قدرتی حق سے محروم کر دیا جائے۔

ہمیں یقین ہے کہ صدر جمہوریہ ہماری درخواست پر ہمدردی سے غور فرمائیں گے اور جلد سے جلد دفعہ ۳۴۷ کے تحت اردو کو اتر پردیش، بہار، پنجاب اور دہلی میں سرکاری زبان قرار دیں گے اور دوسری ریاستوں میں ضروری سہولتیں دیئے جانے کی ہدایت کریں گے۔

سیر بین

روم کی خبر ہے کہ شاہ فاروق کا انتقال ہو گیا۔ ویسے تو اس خبر میں کوئی خاص بات نہ تھی لیکن فاروق نے ۱۹۵۲ء میں تخت چھن جانے سے پہلے جو بات کہی تھی وہ پھر یاد آ گئی اور وہ آج بھی اتنی ہی صحیح ہے جتنی پندرہ سولہ سال پہلے تھی۔ کسی نے اس سے پوچھا کہ جمہوریت کے اس دور میں کتنے بادشاہ باقی رہیں گے۔ اس نے جواب دیا کہ پانچ۔ حکم کا بادشاہ۔ اینٹ کا بادشاہ۔ پان کا بادشاہ۔ پھول کا بادشاہ اور انگلستان کا بادشاہ

ایڈورڈ ہشتم نے ۱۹۳۶ء میں انگلستان چھوڑا تھا اور اپنی محبوبہ کی خاطر تخت پر لات مار دی تھی۔ اتنے عرصے کے بعد پہلی دفعہ وہ انگلستان آنکھ کے آپریشن کے لیے آئے تو ان کی بھتیجی یعنی ملکہ الزبتھ جو ان کے تخت چھوڑنے کے وقت دس سال کی تھیں، ان سے اور ڈچز سے ملنے گئیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدامت پرست انگلستان اب محبت کے جذبے کی قدر کرنے پر آمادہ ہوا ہے۔ زندہ باد ڈیوک اور ڈچز ونڈسر۔ انگلستان کے ایک بادشاہ کی حیثیت سے ان کا نام صرف تاریخوں کے صفحات پر آتا مگر محبت کی خاطر انھوں نے جو قربانی کی ہے [illegible] انگلستان کے دل میں ان کی جگہ ہو گئی اور ان کا نام رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔

روس نے آج زمین سے تین سو میل دور ایک ہوا باز کو اپنے جہاز سے خلا میں دس منٹ تک چھوڑا اور اس کے بعد جہاز میں واپس بلا لیا۔ اگر وہ بالکل آزاد ہوتا تو شاید ایک جہاز یا مصنوعی چاند کی طرح زمین کے گرد گردش کرنے لگتا۔ اتنی بلندی پر جا کر یہ جذبہ کہ دیکھیں یہاں سے زمین کیسی معلوم ہوتی ہے کیا عجیب لگتا ہے مگر ٹھیک فطری۔ راقم الحروف کو ایسا ہی ایک شعر یاد آ گیا۔

یاد آتا ہے کوئی صحن چمن یا بام دوست
دیر تک کس سے فضاؤں میں بھی ٹھہرا جائے

جس زمانے میں روسی ہوا باز خلا میں پرواز کر رہے تھے ٹھیک اسی زمانے میں دلی میں احمقوں کی کانفرنس ہو رہی تھی جس میں گدھے رینک رہے تھے اور گاڑی ہنکار رہے تھے۔ دھوپ میں بلب روشن تھے۔ جھنڈے کی جگہ پاجامہ تھا اور پاجامے کی جے پکاری جا رہی تھی۔ شری جگ جیون رام کے سر پر ایک چھوٹے سے ریلوے انجن کا کھلونا رکھا ہوا تھا۔ انھیں انجنوں کا ایک ہار پہنایا گیا۔ شری جگ جیون رام نے اعلان کیا کہ یہ احمقوں کا دور ہے اور وہ خوش ہیں کہ وہ ان کے نیتا ہیں۔ شیو چرن گپتا کا نام شو (SHOE) چرن گپتا رکھ دیا گیا۔ میر مشتاق احمد کو مورکھ اعظم کا خطاب دیا گیا۔ مغل اعظم کے بجائے مورکھ اعظم خوب رہی۔ ایک قرارداد میں کہا گیا کہ ہندی اور انگریزی دونوں کو دوزخ میں جھونک دو۔ وزیر اعظم نے احمقوں کی کانفرنس کو ایک پیغام سے بھی نوازا۔ اب بتائیے کہ اس کانفرنس کے منتظمین کو مبارکباد دیں یا ان کے ذوق کا ماتم کریں۔

نہرو کے پسندیدہ اشعار

نئی دہلی۔ ۱۲۔ اپریل۔ یہاں تین مورتی مارگ پر نہرو میموریل میوزیم میں جواہر لال نہرو کے جو خطوط اور ذاتی مسودات نمائش کے لیے پیش کیے گئے ہیں ان میں انگریزی اور اردو کے بعض اشعار بھی شامل ہیں جو مسٹر نہرو نے اپنے محبوب شاعروں کے کلام سے منتخب کر کے خود اپنے ہاتھ سے لکھے تھے۔

اردو شاعروں میں مرزا غالب مسٹر نہرو کے محبوب ترین شاعر تھے۔ ایک کاغذ پر مسٹر نہرو نے غالب کے دو شعر لکھے تھے جو نمائش میں پیش کیے گئے ہیں

ایک شعر یہ ہے:

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

اور دوسرا شعر یہ ہے:

پھر اس انداز سے بہار آئی
کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی

(اول الذکر شعر میوزیم میں غالب کے شعر کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے لیکن دراصل یہ ان کا نہیں بلکہ کسی اور شاعر کا ہے۔ (ریاست کا چودہ)

(اول الذکر شعر اکبر الہ آبادی کا ہے ——— ادارہ ہماری زبان)

نادم سیتاپوری

غالب اور سیاست

"یہ مقالہ ۱۵ فروری ۱۹۷۵ء کو شام غالب "منعقدہ ادارہ فروغ اردو لکھنؤ میں پڑھا گیا تھا اب حذف و اضافے کے بعد پیش کیا جا رہا ہے۔"

غالب سیاست داں تو نہیں تھے مگر اس دور کی سیاست جس انقلابی محور کے گرد گردش کناں تھی اس سے بے خبر بھی نہیں سمجھے جا سکتے!

(۱) دورانی، ابدالی، مرہٹے اور جاٹوں کی خون آشامیوں کی ہلکی ہلکی چھینٹیں ابھی تک دلی کے گلی کوچوں پر کہیں کہیں چھپتی ہوئی نظر آتی تھیں اور ان اوراق مصور پر ابھی تک ایک ارتعاش سا چھایا ہوا تھا۔ چنانچہ اس سبک خرام تموج نے دامن دل کو اتنا متاثر کیا کہ وہ اپنے پیشۂ آبا سپہ گری کو ایک طویل عرصے تک بھولے رہے اس کی یاد آئی بھی تو اس وقت! جب درباری سیاست کے ایک ہلکے سے جھونکے نے ساری دلی میں ذوق کے سہرے کو زبان زد خاص و عام کر دیا۔ غالب کو پہلی بار یہ محسوس ہوا کہ وہ پیچ پیچ درباری سیاست کے منھ میں پہنچ چکے ہیں گھبرا اٹھے۔ "گزارش احوال واقعی" لکھ کر اپنی پوزیشن صاف کی۔ کہا اور یہاں تک کہا؟

استاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے

اوّل تو اس دور کی سیاست اپنے مفہوم و مقاصد کے اعتبار سے آج کی سیاست تھی نہیں، دوسرے غالب کی زندگی کا آغاز ہی کچھ ایسے خاندانی اور گھریلو جھگڑوں سے ہوا کہ اگر وہ اس شخصی دور حکمرانی کے سیاسی مد و جزر کے قریب ہونا بھی چاہتے تو ممکن نہ تھا جاگیر کا جھگڑا، پنشن کا مقدمہ لوہارو کی جائداد کا قضیہ۔ اور سب سے زیادہ ادبی معرکہ آرائیاں! فتح بنگالہ و سرنگاپٹم کے بعد انگریزی سامراج کی سازشیں "معاہدۂ لیک" (۱۸۰۴ء) کی شکل میں شہنشاہ ہند کو لال قلعہ میں محصور کر کے "اہل سیف" کو بہت حد تک بے دست و پا کر چکی تھیں اور ان میں سے بیشتر صرف "صاحب قلم" ہی تک محدود ہو کر رہ گئے تھے! غالب کی زندگی پر بھی اسی انتشار و جمود کا سایہ پڑا اور ان کے کردار میں کسی قسم کا مجاہدانہ عزم و ولولہ پیدا نہ ہو سکا یہاں تک کہ غدر ۱۸۵۷ء میں وہ "ہیچ آفت نہ رسد ......" کہہ کر خانہ نشین ہو گئے۔

لیکن آدمی تھے ہوش گوش کے، دربردہ قلعہ سے بھی ربط و ضبط قائم رکھا کہ اگر کہیں پانسہ پلٹ گیا اور بدیسی سامراج اپنے قدم نہ جما سکا تو قلعہ کا توسل اور تعلق تو بہر حال امید افزا ثابت ہی ہوگا!

غالب کی سوجھ بوجھ اور جہاں دیدگی کی ایسی ہی مثالیں اور بھی ملتی ہیں، جناب مالک رام نے لکھا ہے:

"پیر کے دن ۵ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو صبح کے وقت چند گورے کوچہ بندی کی دیوار پھاند کر محلے میں گھس آئے۔ مہاراجہ پٹیالہ کے سپاہیوں نے انھیں روکنے کی بہت کوشش کی لیکن ان کی ایک نہ چلی گوروں نے لوگوں کے مال و اسباب کو تو ہاتھ نہ لگایا لیکن مرزا (غالب) اور ان کے ہمسایوں میں سے چند آدمیوں کو پکڑ لے گئے اور کرنل برن کے سامنے پیش کر دیا۔ وہاں تفتیش ہو رہی تھی کہ شہر میں کون کون سے محلے میں مسلمان مقیم ہیں۔ کرنل برن نے ان لوگوں سے نام اور مقام اور پیشے وغیرہ کی کیفیت پوچھی جب مرزا (غالب) کی باری آئی تو اس نے ان کی کلاہ پاپاخ اور ایرانی وضع پر متعجب ہو کر ان سے پوچھا۔

"ول تم مسلمان ہے؟"

انھوں نے جواب دیا۔

حضور آدھا۔

کرنل صاحب حیران کہ یہ کیا کہتے ہیں۔ پوچھنے پر بولے: شراب پیتا ہوں سؤر نہیں کھاتا۔ اس لیے آدھا ہوں؟ سب ہنس پڑے اور ان کے ساتھ دوسروں کو بھی ہنسی خوشی واپس آنے اور محلے میں بدستور مقیم رہنے کی اجازت مل گئی۔"

(صفحہ ۱۲۱-۱۲۲۔ ذکر غالب۔ چوتھا ایڈیشن)

(۲) ظاہر ہے کہ ان ذاتی مصلحت بینیوں سے کبھی سیاست اور تدبر کو دور کا بھی لگاؤ نہیں تھا! سیاسی نوعیت کے صرف دو واقعے غالب کی زندگی میں ملتے ہیں۔ ایک تو ولیم فریزر کا قتل! دوسرا سکّے کا الزام۔ یہ دونوں واقعے ایک حیثیت سے اس دور کی پیچیدہ سیاست سے گہرا تعلق رکھتے تھے لیکن غالب کو ان سے واقعی کوئی تعلق نہ تھا ولیم فریزر کے قتل کی سازش سے نہ ان کا کوئی واسطہ تھا اور نہ ہو سکتا ہے! یہ دونوں الزام اتنے بے بنیاد اور لغو تھے

ا؎ صفحہ ۱۱۹، ذکر غالب چوتھا ایڈیشن

کہ بہت ہی جلد حرفِ غلط کی طرح مٹ گئے۔

غدر میں دلی پر جو کچھ بیتنا تھی بیت گئی۔ غالب نے اپنی آنکھوں سے آگ و خون کے دریا بہتے دیکھے تھے اور اس ہنگامہ جنگ و جدال سے اتنے سہمے ہوئے تھے کہ اپنے قریبی احباب کا نام لیتے ہوئے ڈرتے تھے ان کے سب سے بڑے دوست اور محسن مولانا فضل حق خیرآبادی جنھیں وہ "فخرِ ایجاد و تکوین" سمجھتے تھے جس ابتلائے عظیم میں پھنس گئے مرزا یقیناً اس سے بے خبر نہ تھے مگر اس زمانے کے اب تک صرف دو ہی خطوط ایسے دستیاب ہوئے جن میں ان کا ذکر آتا ہے۔ منشی داد خاں سیاح کو تحریر فرمایا:

"ہاں خاں صاحب۔ آپ جو کلکتے پہنچے اور صاحبوں سے ملے ہو تو مولوی فضل حق کا حال اچھی طرح دریافت کر کے مجھ کو لکھو اس نے رہائی کیوں نہ پائی اور وہاں جزیرے (انڈمان) میں اس کا کیا حال ہے۔ کس طرح گزر ہوتا ہے؟"

مرزا ڈرتے تھے کہ اگر انگریز دیکھے اس باغی (مولانا فضل حق خیرآبادی) کا نام زبان پر آگیا تو میرا شمار بھی کہیں پانچویں سواروں میں نہ ہونے لگے۔ لیکن ان کے دل میں مولانا کی جو عزت و عظمت تھی وہ یقیناً اسے تھی چنانچہ اپنے آخری ایام زندگی میں جب ہندوستان کا سیاسی مطلع بہت حد تک صاف ہو چکا تھا شیخ لطیف احمد بلگرامی کو لکھا تھا۔

"کیا لکھوں اور کیوں۔؟ نور آنکھوں سے جاتا رہا اور دل سے سرور۔ ہاتھ میں رعشہ طاری ہے کان سماعت سے عاری ہے" ع

غالب در عرصۂ رسان درو آمد بجوش
صراحی تہی گشت و ساقی خموش

"فخرِ ایجاد و تکوین مولانا فضل حق" ایسا دوست مر جائے غالب نیم مردہ نیم جان رہ جائے ۔۔۔۔

اس تمام پس منظر کی روشنی میں نہ غالب پر سیاست داں ہونے کا اطلاق کیا جا سکتا ہے نہ یہ دعوٰی کہ وہ کوئی تدبر اور بصیرت رکھتے تھے پھر بھی ان کی ... نیم سیاسی نثر ایسی دستیاب ہوئی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے عہد میں جو سیاسی آثار چڑھاؤ ہوتے رہے ان سے وہ بے خبر نہیں تھے!

غالب کی یہ نثر جو غدر کی ایک مدت کے بعد پہلی مرتبہ پنشن کی جاری سبب اس دور کی ملکی سیاست سے تعلق رکھتی ہو اور ایسا ہی "نظریہ" ہے جس سے اس عہد کا کوئی ہندوستانی انحراف نہیں کر سکتا تھا۔ غدر سن ستاون کے بعد ہندوستانی مسلمان انگریزوں کی نگاہ میں بیری خار کی طرح کھٹکتے تھے اور نئے حکمران ہر وقت ان سے مشکوک و مشتبہ رہا کرتے تھے۔

انگریزوں کا پرچم "استبداد" راس کماری سے لے کر درۂ خیبر تک لہرا چکا تھا۔ افغانستان میں بھی سازشوں کے تانے بانے پاؤں جمانے کی کوشش کر رہے تھے۔ روس ایران میں قدم جمانے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ ہندوستان پر انگریزی تسلط کو پانچ سال گزر چکے تھے لیکن انگریز بھی مکمل طور پر مطمئن نہیں تھے۔ اور ایسی تمام خبروں سے ہندوستانی مسلمانوں کو بے خبر رکھنا چاہتے تھے جن سے متاثر ہو کر ہندوستان کا امن و امان خطرے میں پڑ سکتا تھا۔ واقعہ کچھ بھی ہو لیکن افواہیں اس زمانے میں کچھ ایسی ہی مشہور ہو گئی تھیں کہ روس کی شہ پر ایران افغانستان پر حملہ کرنا چاہتا ہے اور ہندوستان کی حکومت ان خبروں سے اتنا سراسیمہ تھی کہ اس سلسلے میں اسے روس کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے کے لیے ایک خفیہ مشن بھیجنا پڑا تھا جس میں صاحب "آبِ حیات" مولانا محمد حسین آزاد بھی شامل تھے۔

غالب کی یہ تحریر "اودھ اخبار لکھنؤ" ۲۰ اپریل ۱۸۶۲ء (مطابق ۲۲ شوال ۱۲۷۸ھ) جلد ۴ شمارہ ... میں صفحہ ۲۸۱ پر شائع ہوئی تھی" اودھ اخبار کے اور نولکشور پریس پر اس زمانے میں غالب کے ایک خاص شاگرد نواب مردان علی خاں رعنا مرادآبادی کا خاص اثر تھا۔ نواب مردان علی خاں رعنا کی بیشتر کتابیں اسی نولکشور پریس کی چھپی ہوئی ہیں اور منشی نولکشور سے ان کے خاص مراسم تھے اور وہ منشی صاحب سے ملنے لکھنؤ بھی آیا کرتے تھے۔ اودھ اخبار کے ابتدائی دور میں اس اخبار کا شاید ہی کوئی شمارہ ایسا ہو جس میں رعنا کی کوئی نظم نثر یا غزل شامل نہ ہو۔

غالب اور منشی نولکشور کے تعلقات کا آغاز کیسے ہوا؟ اس کے بارے میں کوئی یقینی بات تو نہیں کہی جا سکتی لیکن میرا خیال ہے کہ ان دونوں کے درمیان رعنا ہی ایک ایسی کڑی ہو سکتے ہیں جنھوں نے ان دونوں میں اس حد تک ربط و ضبط پیدا کر دیا کہ مرزا کی زندگی میں ان کی وفات ...

(بقیہ صفحہ ۱۶ پر)

۱؎ قاطع برہان کا جو فارسی اشتہار اودھ اخبار میں شائع ہوا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ اپریل ۱۸۶۱ء تک قاطع برہان مطبع ... سے مراحل طے کر چکی تھی اور اس کی قیمت ایک روپیہ تھی۔ قاطع برہان کی اشاعت کا پہلا اشتہار ۲۰ دسمبر ۱۸۶۱ء کے اودھ اخبار میں فارسی زبان میں شائع ہوا تھا۔ (اکرام مسیحا پوری)

قطعات

محمد حسین خاں جبر

آنکھ سے پردۂ حجاب اٹھا — ذرہ ذرہ سے آفتاب اٹھا
ناپئے ذکرِ گردشِ افلاک — بطنِ تخلیق سے انقلاب اٹھا

ساقیا ساغرِ شراب اٹھا — مطربہ بربط و رباب اٹھا
زرد ہے رنگِ رخِ زمانہ کا — کوئی ہنگامۂ شباب اٹھا

راحتِ سوزِ اضطراب اٹھا — لذتِ زخمِ بے حساب اٹھا
وعدۂ کارزارِ ہستی میں — سنتِ تیغِ برق تاب اٹھا

دل میں ہر درد انتخاب اٹھا — سر میں ہر شوق لاجواب اٹھا
تھا جنوں رائگانِ عشق نفس — ہر قدم اپنا کامیاب اٹھا

امیر چند بہار

جس ملک کے ناقبت اندیش افراد
ناقدریٔ اربابِ ہنر کرتے ہیں
دشمن بھی وہ نقصان نہیں کرسکتا
نقصان جو یہ تنگ نظر کرتے ہیں

غزل

علی عباس عابدی امید

چین شبنم کو گلوں پر کسی پہلو بھی نہیں
اب تو پھولوں میں ترے حسن کا جادو بھی نہیں

اب نئی راہ ہے انداز نیا لوگ نئے
اب زمانے میں کہیں پیار کی خوشبو بھی نہیں

زندگی آج ہے تپتے ہوئے صحرا کی طرح
اور صحرا میں کہیں سایۂ گیسو بھی نہیں

تو نے پھیریں تو نگاہیں مگر سوچا بھی کبھی
مجھ ترے زیست کی رہ میں کوئی جگنو بھی نہیں

کثرتِ غم نے تو دیوانہ بنایا لیکن
شدتِ گریہ سے اب آنکھوں میں آنسو بھی نہیں

دھڑکنے غم نے ترے غم کی جگہ لے لی ہے
اب تری یاد نہیں یاد کی خوشبو بھی نہیں

گرچہ امید ستم ہوں ستم ہوں شکوے لاکھوں
شکوہ ہو کس سے کہ نزدیک مرے تو بھی نہیں

مصاصرین

اردو کی بھی سنی جائے

اقلیتی زبان کے حامیوں میں سب سے زیادہ معقول رویہ اردو کے حامیوں کا رہا ہے۔ یہ رویہ اتنا معتدل اور نرم ہے کہ بسا اوقات اس پر بے عملی کا گمان گزرتا ہے جس کے خلاف کئی بار "تحریک" میں بھی احتجاج کیا گیا ہے۔

قومی مصالح کا احترام بھی اردو کے حامیوں نے ہمیشہ ملحوظ رکھا ہے۔ غالباً یہ واحد اقلیتی زبان ہے جس کے حامیوں نے ہندی کی برتری کو اصولی طور پر تسلیم کرلیا اور اردو زبان کو ہندی کے قریب لانے کی حمایت بھی کی۔

انصاف پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ جب اقلیتی زبانوں کے تحفظ اور ان کو ترقی دینے کا مسئلہ درپیش ہو تو سب سے زیادہ توجہ کا مستحق اردو کو سمجھا جائے۔ لیکن ایسا ہوا نہیں بلکہ اردو کو قریب قریب نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ اس صورتِ حال کا جلد تدارک ہونا چاہیے۔

اب ایک بار پھر یو۔پی آئین ساز اسمبلی کے ۵۲ ممبروں نے جن میں مختلف جمہوری پارٹیوں کے ممبر شامل ہیں، یو۔پی کے چیف منسٹر سے مطالبہ کیا ہے کہ یو۔پی میں جس کی تہذیب اور ثقافت کے فروغ میں اردو کا نمایاں حصہ رہا ہے۔ اردو کو اس کا جائز حق دیا جائے۔ جن ممبران اسمبلی نے اس میمورنڈم پر دستخط کیے ہیں ان میں کانگریسی ممبران بھی شامل ہیں اور ایسے ممبر جن پر فرقہ پرستی کا الزام ہندی کے پرجوش سے پرجوش حامی بھی نہیں لگا سکتے۔

ان ممبروں کا مطالبہ ہے کہ یو۔پی میں اردو کو آندھرا پردیش کی طرح علاقائی زبان تسلیم کیا جائے۔ اس مطالبے کی معقولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جہاں آندھرا پردیش میں اردو بولنے والوں کی تعداد ۷ء۷ فیصدی ہے وہاں یو۔پی میں یہ تعداد ۱۰ء۷ فیصدی ہے۔ ویسے بھی اردو کا تعلق آندھرا پردیش کے مقابلے میں یو۔پی سے کہیں زیادہ ہے۔

ہمیں کامل امید ہے کہ حکومت یو۔پی اس سو فیصدی جائز مطالبے کو منظور کرے گی۔ اسی طرح دلی، بہار، مدھیہ پردیش اور پنجاب میں بھی اردو کو اس کے جائز حقوق ملنے چاہئیں۔

مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو اقلیتی زبانوں کے حامیوں میں یہ خیال کبھی پیدا نہیں کرنا چاہیے کہ وہ صرف انھیں لوگوں کی بات سنتی ہیں جو ہنگامہ آرائی پر آمادہ ہوں۔

(تحریک)

(بقیہ صفحہ ۵ سے آگے)

(کلیات فارسی) نولکشور پریس نے شایع کیں اور اودھ اخبار میں ان کے خطوط، مضامین اور غزلیں بھی شایع ہوتی رہیں۔

"اودھ اخبار" کے ابتدائی فائل تقریباً نایاب ہو چکے ہیں۔ منشی نولکشور کے ورثا (راجہ رام کمار اور راجہ برج کمار) میں جب بلڈنگ وغیرہ کی تقسیم ہوئی تو کہا جاتا ہے کہ "اودھ اخبار" کے زیادہ تر فائل تلف ہو چکے تھے جو کچھ بچے تھے وہ ایک صاحب بنظر "بحفاظت" اٹھا لائے جو ان کے لیے سانپ کے منہ کی چھچھوندر بنے ہوئے ہیں۔ بیچارے کو نہ نگلتے بنتی ہے نہ اگلتے! کبھی کبھی اس کی ایک آدھ تحریر یا غالب کا کوئی خط اس سے نقل کر دیا کرتے ہیں اور بس۔ پیش نظر فائل (۱۸۶۱ء — ۱۸۶۲ء) مظہر عالم لائبریری (نخاس لکھنؤ) میں محفوظ ہے۔

غالب کا یہ مضمون یا مراسلہ جسے "نثر" کا عنوان دیا گیا ہے انگریزی حکومت کی تعریف و توصیف سے تعلق رکھتا ہے جس میں انھوں نے ہندوستانیوں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ ایران و افغانستان کی جنگ کی افواہوں پر یقین کر کے اپنی ذہنی اور دماغی الجھنوں میں اضافہ نہ کریں بلکہ کامل صبر و سکون کے ساتھ انگریزوں کی خوش انتظامی اور تعمیری ترقیوں کے ممنون و سپاس گزار ہوں!

غالب کی اس نثر سے پہلے اور بعد میں اسی قسم کے اور بھی کئی مراسلے اور مضمون دوسرے لوگوں کے بھی شامل ہیں جنھیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس پروپیگنڈہ مہم کے میر کارواں بھی نواب مردان علی خاں رعنا تھے اور غالب نے یہ مراسلہ بھی انھیں کے ایما و اشارہ پر لکھا تھا۔ کیوں کہ غالب کی اس "نثر" کے بعد ہی ۱۳ مئی ۱۸۶۲ء کے "اودھ اخبار" میں رعنا کا ایک طویل مراسلہ (خیال خیر آل رعنا) غالب کی تائید میں شایع ہوا ہے جو من و عن درج ذیل ہے۔

"بہ تبعیت مضمون خیر اندیشی جناب مرشدنا و استادنا حضرت غالب دام ظلہم بجادہ تنبیہ ابلہان نسبت شہرت جنگ اہل ایران با افغانستان

مکرم خاکسار۔ صاحب اودھ اخبار سلامت!

آپ کے اخبار حق نگار مطبوعہ ۲۲ اپریل سنہ رواں کے صفحہ ۱۸۰ میں عبارت نثر ریختہ قلم جواہر رقم حضرت استادی جناب والا مناقب مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی دام افضالہم کی درباب تہدید و تنبیہ عوام رنج نشان ہند بری نظر سے گذری جس سے یہ مقصود ہے کہ افواہ جنگ ایرانیاں با افغانان پر خام خیال لوگ کیا کیا خیال خام کرتے ہیں چاہیے کہ امن و امان کو جو بہ لطف و حمایت سرکار برطانیہ دام ملکہم کے ہر خاص و عام کو خداداد حاصل ہے غنیمت جان کر ایسی افواہ اور ظن فاسد و خیال ناقص سے محترز رہ کر چین سے اوقات بسر کریں)

ازانجا کہ تحریر جناب ممدوح کو حق بجانب اور عین خیر اندیشی حاکم و محکوم ہے اس لیے اس کو مستجمع نتائج خیر و عافیت عام جان کر کے اس مطلب مافی الضمیر کو میں بھی حتی الوسع بسط کرنا سعادت جان کر ۔ ۔ ۔ ۔ عرض گزار ہوں کہ آپ بوسیلہ اندراج اخبار گوہر بار خود بندگان خدا کو اس سے متنبہ اور حکام عہد کو اس طرف متوجہ فرمائیے گا ۔ ۔ ۔ ۔!"

(مراسلہ بوجہ طوالت حذف کر دیا گیا۔) (صفحہ ۲۲۹)

یہ مردان علی خاں رعنا (وفات ۱۸۶۹ء) بڑے کٹر قسم کے انگریز پرست تھے ان کی ملازمت کا آغاز ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت سے ۱۸۵۰ء میں ہوا۔ چھوٹی جگہ سے ترقی کر کے تحصیلداری کے عہدے تک پہنچے تھے۔ غدر کے بعد انگریزی ملازمت سے استعفیٰ دیدیا اور دیسی ریاستوں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے آدمی علم دوست اور صاحب تصانیف کثیرہ تھے افسوس کہ ان کے نام غالب کے کوئی خطوط اب تک دستیاب نہیں ہو سکے ورنہ اس کا صحیح اندازہ کیا جا سکتا کہ ان کے اور غالب کے درمیان کتنے گہرے مراسم و تعلقات تھے؟ غالب کا محولہ بالا مضمون یا خط "اودھ اخبار" نے "انتخاب اخبارات" کے تحت شایع کیا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ مضمون کسی دوسرے اخبار یا رسالے سے "اودھ اخبار" میں نقل کیا گیا ہے براہ راست ایڈیٹر "اودھ اخبار" کو نہیں بھیجا گیا۔ اس مضمون کو نقل کرتے ہوئے ادارہ اودھ اخبار نے "ہندوستان کی سمجھ" کے عنوان سے ایک نوٹ بھی لکھا ہے جو درج ذیل ہے۔

"افغانستان کا روزنامچہ مدت دراز سے سنا جاتا ہے۔ دس برس سے زیادہ ہوئے کوئی لفظ اخبار میں دیکھا جاتا ہے۔ غرض سالہا سال گزر گئے سنتے سنتے کان بہرے ہو گئے کسی امر کا ظہور نہ پایا۔ انسانے

کے سوا کچھ نظر نہ آیا، ان دنوں بھی ویسی ہی باتوں نے شہرت پائیں، چاروں طرف تو تو میں میں کی اڑائیں، ہندوستانیوں کی سمجھ کے قربان جائیے کیسی عقلیں کیسے کیسے نشان، نئے نئے پابند صنوبار سے۔ تو طے اشاعت محض اپنے گمان پر سیکڑوں قیاس لگائے۔ اسے بے فکر دشمن اسے دوڑ دوڑ، ناحق عالم کو پریشان نہ کرو، معلوم نہیں کہ یہ بے اصل باتیں کون گڑھا کرتا ہے .... انگریزوں کو کون لکھا کرتا ہے کیا کریں .... اخبارات سے معلوم ہوتے ہیں تو ہم بھی حسب ضرورت کچھ کچھ انتخاب کر کے اپنے صحیفے میں چھپوا دیتے ہیں [illegible] کل دانائے روزگار، سرآمد اہل انشاء، بہار ارسطو فطرت، افلاطون منقبت جناب والا شان عالی مرتبت مرزا اسد اللہ خاں غالب نے جن کے سلامت ذہن مستقیم پر قسم کھائیے استقامت رائے سلیم کے صدقے جائیے، نافہموں کی فہمائش میں ایک نثر تحریر فرمائی، ہمارے مضمون خیالی سے نوادر بالا ایک تقریر فرمائی ہم اس کو درج اخبار کرتے ہیں، اہل جہاں پر آشکار کرتے ہیں بعد اس کے بھی جو خبریں ملا کریں گی پیش کش ناظرین مشتاق ہوا کریں گی۔"

اس طویل تمہید کے بعد "..." کے زیر عنوان غالب کا وہ مضمون درج کیا گیا ہے جسے غالب کی ایک غیر سیاسی نادر تحریر کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ ۱۸۶۲ء تک اگرچہ غالب کے اسلوب تحریر پر سادگی اور پرکاری کا عنصر غالب آ چکا تھا لیکن اس مضمون میں وہی مقفیٰ و مسجع عبارت آرائی موجود ہے جو قدیم طرز نگارش کا ایک خاص انداز تھا۔

ذیل میں غالب کے اس نادر اور تاریخی مضمون کو بلا کم و کاست نقل کیا جا رہا ہے جو یقیناً "غالبیات" کے موضوع پر ایک اہم تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

"یا رب دنیا میں جتنے تیرے بندے ہیں سب اپنا بھلا چاہتے ہیں، آیا یہ کج فہم و ناقص طلب لوگ کیا چاہتے ہیں؟ فتنہ و فساد سے خوش اور امن و امان کے دشمن ہیں گویا ان و فرزند و مال و جان کے دشمن ہیں، اگرچہ اس ہنگامے میں اب بھی برباد ہو رہے ہیں لیکن جہاں ہنگامے کی خبر سنتے ہیں شاد ہوتے ہیں، ابھی سرزمین ہند کو دم نہ دیا تھا، سرنگوں دیکھ چکے ہیں، یہ عافیت دشمن ہجرت نہیں پکڑتے ہیں اور جو کوئی ان کو سمجھا دے تو اس سے جھگڑتے ہیں، کالا بھیجے اخبار پر کس رغبت سے کان دھرتے ہیں، اور پھر اس افترا پر کیا کیا دیگر مترتب کرتے ہیں، سرکار انگریزی کو از بسکہ توجہ حالت رعایا عام کے ہے ادھر کا خیال یا قصد جو کچھ ہے واسطے انتظام کے ہے بغرض محال اگر اس گروہ میں کسی نے بڑھ کر حوصلہ کیا اور صاحبان عالیشان معدلت نشان کا مقابلہ کیا، یہ بات صاف صاف ہے، جائے انصاف ہے جن [illegible] حاکموں نے اپنی فوج باغی کو صرف اپنے حسن تدبیر و ضرب شمشیر سے زیر کیا ہے اب تو یہ فوج جرار و لشکر بے شمار ساتھ ہے، مخالفت کا دفع کرنا مشکل کیا ہے؟ ہندو مسلمان جو اہل ہند اس کے فتنہ و فساد سے بیزار رہے ہیں اور بعد اس کے وبا اور قحط کے دکھ سہے ہیں وہ اپنی سلامت و صحت پر خدا کا شکر بجا لائیں یا پاکیزہ دستار [illegible] فراغت کھائیں، آگن بوٹ اور ریل گاڑی کی سرعت کو دیکھیں، تار بجلی میں پیام پہنچنے کی سرعت کو دیکھیں، مدرسوں کی رونق اور رواج علم کی کثرت ملاحظہ فرمائیں، حکام کی مہربانیاں اپنی نسبت ملاحظہ فرمائیں، ملک سراسر بے خس و خار ہو گیا ہے قلمرو ہند نمونہ گلزار ہو گیا ہے، بہشت و بیکنٹھ جو مرنے کے بعد مقصود تھا اب زندگی میں موجود ہے وہ احمق ہے وہ ناقدردان ہے جو انگریزی عملداری سے ناخوشنود ہے حکام کو ملک کی آبادی اور رعیت کی آسودگی منظور ہر صورت ہے اگر احیاناً کوئی اپنے حق کو نہ پہنچے تو اس شخص کی خوبی قسمت ہے، آدمی رحمت خاص کو نہ دیکھے رحمت عام پر نظر کرے اگر اس کا کوئی مدعا حاصل نہ ہو تو اپنے بخت و قسمت کا گلا کرے۔"

اس دوران کا خطاب بخت و قسمت گلہ کی۔ غالب۔ [illegible]

غالب کی اس عبارت میں کوئی سیاسی مسئلہ تو زیر بحث نہیں مگر ایسا انقلابی تجزیہ جس کی تشخیص سیاسی عقل تھیں پھر بھی اسے پیش کرنا ضروری ہوتا ہے کہ انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں جس قسم کے سیاسی رجحانات کی نشوونما ہو رہی تھی غالب بھی ان نعروں کے ہم آواز ہو چلے تھے اور یہ بالکل فطری بات تھی کیونکہ ان کے مادی وسائل کے تمام سوتے انہیں امراء، جاگیردار اور والیان ملک کے خزانوں سے جاری تھے جو انگریزوں کے سب سے بڑے دوست حلیف اور وفادار تھے۔

زبردستی ہندی پڑھا کر اردو کو ختم نہیں کیا جا سکتا

ملّا صاحب کی تقریر

لکھنؤ ۲۰ مارچ' اردو کے ممتاز شاعر اور سابق جج الٰہ آباد ہائی کورٹ پنڈت آنند نرائن ملّا نے حکومت یو۔پی پر کڑی نکتہ چینی کی کہ وہ اردو کے ساتھ مسلسل بے انصافی کر رہی ہے۔

ملّا صاحب نے جو آج سہ پہر کو ریاستی انجمن ترقی اردو اتر پردیش کے دفتر کا افتتاح "ایوان حیدر" متصل امین الدولہ پارک میں کر رہے تھے پرزور الفاظ میں کہا "اگر اردو پڑھائی کی سہولت نہ دے کر اور زبردستی ہندی پڑھا کر اتر پردیش سرکار یہ سمجھ رہی ہے کہ اس طرح وہ اردو کو ختم کر دے گی تو میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ یہ اس کی محض خام خیالی ہے"۔

ریاستی دفتر کے افتتاح کی تقریب کی صدارت چودھری حیدر حسین بیرسٹر نے کی جن کی کوٹھی پر یہ تقریب ہوئی کوٹھی کا ایک مختصر کمرہ ریاستی انجمن کے دفتر کے لیے چودھری صاحب نے عنایت کیا ہے۔

اس موقع پر ریاستی انجمن کے سابق صدر پروفیسر مسعود حسن رضوی، سابق جنرل سکریٹری حیات اللہ صاحب انصاری ایم۔ ایل۔ سی موجودہ ریاستی جنرل سکریٹری قاضی مختار احمد (کانپور)، لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبہ اردو و فارسی کے اساتذہ ممبران یو۔پی مجلس قانون ساز شری گمندی لال اگروال (ایم۔ ایل۔ اے کانگریس) شری ونّار (ایم۔ ایل۔ اے کانگریس) شری ریاست حسین (ایم۔ ایل۔ اے) (ایس۔ ایس۔ پی) شری جمیل الرحمٰن قدوائی (ایم۔ ایل۔ اے) (کانگریس) اور بہت سے سربرآوردہ حضرات و خواتین موجود تھے صدر شہر انجمن ترقی اردو کیپٹن ڈی۔ آر۔ موہن (ایم۔ ایل۔ سی) جن کو دفتر کا افتتاح کرنا تھا ایک فوری ضرورت کے تحت شہر سے باہر چلے گئے تھے اور ملّا صاحب کو جو خود تقریب کے داعی تھے افتتاح کی رسم انجام دینا پڑی۔

ملّا صاحب نے اپنی تقریر میں حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا مرکزی سرکار تو انجمن ترقی اردو کو امداد دے کر یہ ثابت کر چکی ہے کہ وہ اردو کی ترقی چاہتی ہے کم از کم امداد دینے سے ظاہر یہی ہوتا ہے اور کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ اس سلسلے میں مرکزی سرکار کی نیت کے بارے میں شک کیا جائے لیکن کیا ریاستی سرکار نے کوئی ایک بھی قدم ایسا اٹھایا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ وہ بھی اردو کی ترقی چاہتی ہے؟"

ملّا صاحب نے کہا "خود سرکار کی مردم شماری کی رپورٹ کہتی ہے کہ اتر پردیش میں ستر اسّی لاکھ ایسی آبادی ہے جس کی مادری زبان اردو ہے' اگرچہ یہ تعداد جو سرکاری رپورٹ نے بتائی ہے خود مشکوک ہے اس لیے کہ مردم شماری کرنے والوں نے خود میری زبان اپنے طور سے ہندی لکھ دی تھی میں نے اسے کٹوا کر اردو لکھوائی اور پوچھا کہ ہندی کیوں لکھ دی گئی تھی تو جواب ملا کہ "آپ ہندو تھے اس لیے لکھ دیا گیا کہ آپ کی مادری زبان ہندی ہے"۔

"خیر اگر اسی تعداد کو صحیح مان لیا جائے تو اتر پردیش کے ہندی بولنے والوں اور اردو بولنے والوں میں ایک اور ۹ کا تناسب ہوتا ہے اس حساب سے دیکھیے تو اتر پردیش کے مصنفین کو جو انعام سرکار کی طرف سے دیا جاتا ہے اس میں بھی یہی تناسب ہونا چاہیے مگر ہوتا یہ ہے کہ ہندی کے لیے تو یو۔پی سرکار نے پانچ پانچ ہزار کے ۱۱ بڑے انعام رکھے ہیں اور اردو کے لیے صرف ایک بڑا انعام "غالب انعام" کے نام سے رکھا گیا ہے وہ بھی ۵۰۰ کا ہے۔

ملّا صاحب نے کہا "اس طرح یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ ہندی کے مقابلے میں اردو کے فن کار کم درجے کے ہیں اس لیے میں کہتا ہوں کہ یہ تہذیب کی نسل کشی کی جا رہی ہے"۔

انھوں نے کہا "جہاں تک اردو کے فنکاروں کا سوال ہے وہ ہندی کے فنکاروں سے برابری سے نگاہ ملا سکتے ہیں چوں کہ یہ کہنا غرور کی بات ہے کہ اردو کے فن کار ہندی کے فنکاروں سے بڑھ کر ہیں اس لیے میں یہ نہیں کہتا اگرچہ حقیقت یہی ہے۔

حکومت یو۔پی کی اردو سے بے انصافی کی ایک اور مثال پیش کرتے ہوئے ملّا صاحب نے معذرت کے ساتھ اپنی تصنیف "میری حدیث عمر گریزاں" کا حوالہ دیا اور کہا "میری تصنیف کو مرکزی سرکار نے غلط یا صحیح ملک بھر میں اردو کی بہترین تصنیف قرار دیا ہے جس کے بعد ہونا یہ چاہیے تھا کہ اتر پردیش کی جو ہزار اردو لائبریریاں توسیع تعلیم کے تحت صوبے بھر میں ہیں ہر ایک لائبریری میں میری یہ کتاب ہوتی لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایک بھی لائبریری میں یہ میری کتاب نہیں ہے۔"

جنوبی ہندوستان میں زبان کے سوال پر جو بڑا ہنگامہ حال میں ہوا اس کا حوالہ دیتے ہوئے، صدر ریاستی انجمن ترقی اردو ملّا صاحب نے خیال ظاہر کیا کہ اس میں بڑا دخل ہندی والوں کی احساس برتری کا ہے۔

انھوں نے کہا "سہ لسانی فارمولا اس لیے بنا تھا کہ ہندی کے علاقے جنوبی ہندوستان کی ایک زبان پڑھیں اور جنوبی ہندوستان والے ہندی سیکھیں، جنوب والوں نے اپنی مادری زبان کے ساتھ ہندی اور انگریزی سیکھنا شروع کر دی لیکن

اتر پردیش میں مادری زبان کے ساتھ جنوبی ہند کی کوئی زبان نہیں پڑھی گئی بلکہ اس کی جگہ سنسکرت کی ایسی مردہ زبان ٹھونس دی گئی۔ اس طرز عمل نے جنوب کو احساس دلایا کہ وہ تو ہندی والوں کی طرف بڑھ رہے ہیں مگر ہندی والے جنوب کی طرف بڑھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

ملا صاحب نے خاص طور پر برسر اقتدار سیاسی پارٹی کانگریس کے ذمہ داروں کو توجہ دلائی کہ وہ یہ احساس پیدا کرنے کی کوشش ترک کر دیں کہ ہندی والے اوّل درجے کے شہری ہیں اور دوسری زبان والے دوسرے درجے کے شہری ہیں۔

انھوں نے افسوس ظاہر کیا کہ باوجودیکہ لکھنؤ میں جو زبان بولی جاتی ہے وہ ہندی کے مقابلے میں اردو سے زیادہ قریب ہے خاص لکھنؤ میں صرف ۵ سے ۱۰ فیصدی تک ایسے اسکول ہیں جہاں اردو کی پڑھائی کا انتظام ہے۔

انھوں نے کہا "اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اردو کی وجہ سے قومی یک جہتی قائم ہونے میں رکاوٹ پیدا ہوگی تو میں بھی کہوں گا کہ اس قومی یک جہتی کا تصور ناقص ہے۔"

ملا صاحب نے کہا "جب ہم اپنے ملک میں اپنی مادری زبان نہیں بول سکتے ہیں تو ہم میں قومی یک جہتی کا تصور کس طرح بیدار کیا جا سکے گا۔"

اس کے بعد سید کلب مصطفےٰ ایڈوکیٹ نے جو انجمن کے رکن نہیں ہیں صدر جلسہ کے حکم پر ملا صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کو اردو والوں کا "محسن" قرار دیا اور خیال ظاہر کیا کہ احسان مندی کا یہ جذبہ نسلاً بعد نسل منتقل ہوگا۔"

صدر جلسہ چودھری حیدر حسین نے اپنی خیر مقدمی تقریر میں ڈاکٹر اے۔ جے۔ فریدی کے جرات مندانہ اقدام کو خراج تحسین پیش کیا اور ان کو دلی مبارک باد پیش کی۔

چودھری صاحب نے کہا ڈاکٹر صاحب نے علاقائی زبان کے سلسلے میں کونسل کا مقاطعہ کر کے ایک اہم خدمت انجام دی ہے اور دوسرے ممبران کے لیے ایک روشن راہ دکھائی ہے، کم از کم جمہوریت میں وہ ایسی قدم تو اٹھا سکتے ہیں۔ (قومی آواز لکھنؤ)

مراسلات

حلوائے بے دود

مورخہ ۲۲ر نومبر ۱۹۶۴ء کے "ہماری زبان" میں ڈاکٹر محمود الٰہی صاحب اپنے مضمون "غالب کا ایک شاگرد۔ محمد حسین محمود" میں محمود کی تصنیف "حلوائے بے دود" کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں "حلوائے بے دود" ۲۶ صفحات کی نثری کتاب ہے جو مطبع نولکشور میں چھپی تھی۔ اس کے سال اشاعت کا کوئی ذکر کتاب میں نہیں ہے۔"

لیکن میرے پیش نظر جو کتاب ہے وہ ۴۴ صفحات کی ہے جس میں دیباچہ، زبان اردو کی تعریف، غزل، مثنوی، ادبیات اور پند و نصیحت درج ہیں۔ صفحہ ایک اور دو پر دیباچہ کے طور پر جو ابتدائی سطریں ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

"ذرہ بے مقدار محمد حسین محمود حق شناس کے علم اور ادراک کا طالب ننگ شاگردان غالب ناظرین ہر نگاہ سخن آگاہ کی خدمت میں سلام کے بعد یہ پیام دیتا ہے کہ راقم ہیچ مداں نہ فارسی کے مکتبے کا دیوان ہے نہ اردو معلی کی عدالت کا مسل خواں۔ نہ املا نگاری کے فن میں لائق ہے نہ انشاپردازی کے ہنر میں فائق۔ فقط فصیحان شیریں زبان خوش الحان کی بات چیت سننے اور سیکھنے کا شائق ہے لیکن ایک روز جو سرکار میں لڑکوں کی ادب آموزی کا ذکر آیا اور جناب فیض مآب خداوند نعمت سردار بہادر کنور کرپال سنگھ صاحب بہادر اہلووالیہ برادر والی ریاست کپورتھلہ نے کہ فضل الٰہی سے ہر طرح کے فضل و کمال میں بے نظیر امیر ابن امیر صاحب توقیر ہیں اور جن کی جیب خاص کے فیض سے گیارہ مدرسے شہر جالندھر میں رونق پذیر ہیں۔ اس خاکسار کی طرف متوجہ ہو کر یہ ارشاد فرمایا کہ آج کل اردو کی تعلیم کا نہایت چرچا ہے اور کل معاملات کی کارروائی کا اسی میں عرضی چرچا ہے۔ کوئی نسخہ جدید عام مفید ایسا تصنیف ہو جس کا مضمون دلچسپ اور مطلب شریف و لطیف ہو۔ اگرچہ مؤلف بے خبر خود محتاج سیکھنے سلیقہ اور ہنر کا ہے۔ مگر حکم کی تعمیل کے سبب آرزومند اس امر کا ہے کہ ایک چھوٹی سی کتاب لڑکوں کی نصیحت کے باب میں فارسی نسخوں سے انتخاب کر کے اس طرز پر لکھے جس کا مطلب اور مدعا آسانی کے ساتھ اردو پڑھنے والوں کے دلوں میں بیٹھے۔ موزونی فقروں کی سست زبان لڑکوں کی گویائی کو چست کرے۔ اور لطف بول چال کا شائقین تیز طبیعت کے روزمرہ کو درست کرے۔"

صفحہ ۵ سے ۹ تک "زبان اردو کی تعریف" کے عنوان سے مصنف نے اردو زبان کی مقبولیت پر اپنے خیالات کا

اظہار کیا ہے۔

آخری یعنی صفحہ ۴۴ پر لکھا ہوا ہے "خاتمۃ الطبع الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین اما بعد اطفال بجست کردار وعیندیان خوش اطوار کی تعلیم کے واسطے یہ رسالہ سراسر بہبود یعنی حقوائے بے ۔۔۔ جو پند ونصیحت کے باب میں بے نظیر رسالہ مصنفہ شاعر نازک خیال شیریں مقال میاں محمود کا ہے۔ بماہ اکتوبر ۱۸۸۱ء مطبع منشی نولکشور صاحب واقع کانپور میں اول مرتبہ رونق طبع سے مزین ہوا۔"

(مناظر عاشق ہرگانوی)

غالب کا ایک ادھورا خط

جناب نادم سیتاپوری نے یکم مارچ ۱۹۶۵ء کے "ہماری زبان" میں چند "ادھوری یادداشتیں" طبع کرائی ہیں "غالب کا ایک ادھورا خط" کے بارے میں عرض ہے کہ یہ رضی الدین بسمل بدایونی مرحوم کی کتاب کنز التاریخ سے لیا گیا ہے جو نظامی پریس بدایوں سے ۱۹۰۷ء میں چھپی تھی کتاب کا موضوع تاریخ بدایوں ہے پورا خط عود ہندی میں مطبوعہ موجود ہے یہ خط غالب نے ۱۸۵۸ء کے بعد اپنے شاگرد مولوی عزیز الدین مرحوم کو لکھا تھا مولوی صاحب غالب کے ایک مقدمہ میں وکیل بھی تھے۔

(فرخ جلالی)

محبوب الرحمٰن کلیم

محبوب الرحمٰن صاحب کلیم کا تذکرہ درکار ہے موصوف ۱۹۲۲ء میں علی گڑھ میں زیر تعلیم تھے۔

(جعفر حسن)

مضطر خیرآبادی پر تحقیقی مقالہ

میں مضطر خیرآبادی پر وکرم یونیورسٹی (اجین) میں پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے تحقیقی مقالہ لکھ رہی ہوں۔ اس مقالہ میں ان کی سوانح شخصیت اور فن کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی جائے گی۔ اس سلسلہ میں مضطر صاحب مرحوم کے صاحبزادہ جناب جاں نثار اختر صاحب مدد و تعاون فرما رہے ہیں۔ اس مقالے کے نگراں ڈاکٹر گیان چند صاحب ہیں۔

میں چاہتی ہوں کہ یہ مقالہ ہر لحاظ سے اپنے موضوع کی طرح رکھے اور کوئی گوشہ نہ بچے۔ امید ہے کہ جن صاحب کو بھی مضطر صاحب کی شاعری یا شخصیت یا ادب کے کسی بھی پہلو کے بارے میں جو کچھ بھی معلوم ہوگا وہ مجھے اس سے محروم نہ رکھیں گے۔ (سعیدہ سلمیٰ، بنگال منزل، ابراہیم پورہ، بھوپال)

گورکھپور کے اسکولوں میں اردو کا حشر

اردو کی تعلیم کے سلسلہ میں گورنمنٹ کا یہ فیصلہ ہے کہ درجہ ایک سے پانچ تک کے کسی ایک درجہ میں اگر کم از کم دس طلبہ یا پورے اسکول میں چالیس طلبہ اردو کا مطالبہ کریں تو ایک مدرس کا تقرر کر کے اردو کی تعلیم کا لازمی طور پر انتظام کیا جائے اسی طرح درجہ ۶ و اس کے اوپر کے کسی درجہ میں اگر پانچ طلبہ اردو کے خواہشمند ہوں تو ان کی تعلیم کا بھی انتظام کیا جائے لیکن طلبہ کے مسلسل مطالبے اور اردو کے کوالیفائڈ ٹیچر کے موجود رہتے ہوئے بھی اردو کی تعلیم کا انتظام کرنے سے صاف انکار کر دیا جاتا ہے اور ان ہیڈ ماسٹروں اور پرنسپلوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاتی مثال کے طور پر تین اداروں کے واقعات لکھے جاتے ہیں۔

پرائمری اسکول این۔ ای ریلوے گورکھپور میں اردو کے خواہشمند طلبہ مجموعی طور پر اس سال پچاس سے زیادہ ہیں گذشتہ سال بھی درخواست دی تھی اور اس سال بھی خواہشمند ہیں لیکن اسکول مذکور میں صرف اردو کی تعلیم کا انتظام کرنے ہی سے انکار نہیں کیا گیا بلکہ طلبہ کو یہ بھی دھمکی دی گئی کہ اگر اپنی مادری زبان اردو لکھوائیں گے تو ان کا تبادلہ انصار اسکول میں کر دیا جائے گا جو وہاں سے دو میل کے فاصلے پر ہے حالانکہ اس اسکول میں اردو پڑھانے کے لیے پانچ کوالیفائڈ ٹیچر موجود ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) دی۔ ڈی۔ دنیش تُوبی صاحب بی۔ اے اردو سے (۲) ترنجلی نرائن صاحب سریواستو ہائی اسکول اردو سے (۳) ہری شنکر لال صاحب اردو مڈل (۴) محمد حنیف صاحب علی نا بینہ ڈپٹی کا (۵) سورج دیو رائے صاحب اردو مڈل

(۲) سبھے پوریا انٹر کالج آنند نگر ضلع گورکھپور کے درجہ ۹ کے بیس طلبہ کچھ برسوں سے گذشتہ سال اور اس سال اسی درجہ کے پہلے دس طلبہ کے سرپرستوں اور درجہ ۱۰ میں ۱۴ طلبہ کے سرپرستوں نے اردو کے لیے درخواستیں دیں دیا بنادہ ریٹیچر لیکن وہاں کے پرنسپل صاحب نے اردو کا انتظام کرنے سے صاف انکار کر دیا حالانکہ اس کالج میں ایک اردو ٹیچر مولوی عبد الوحید صاحب ۱۹۵۶ء کے پہلے سے کام کر رہے ہیں تعجب ہے کہ گورنمنٹ کو یہ غلط رپورٹ دیدی گئی ہے کہ ٹیچر کا مطالبہ کیا گیا تھا اور لڑکوں کی تعداد کم ہے اس لیے اسکا انتظام نہیں کیا گیا جب اردو ٹیچر پہلے ہی سے موجود ہیں تو ٹیچر کا مطالبہ کیسے کیا جاتا کیا گورنمنٹ اس قسم کی غلط بیانی پر کوئی گرفت نہ کرے گی۔

(۳) نوتنواں انٹر کالج نوتنواں کے درجہ ۹ کے ۱۶ طلبہ کچھ عرصہ سے برابر جولائی سے اردو کیلیے کوشش کر رہے ہیں۔ کالج مذکور کے پرنسپل، سکریٹری، انسپکٹر اسکول، ڈپٹی ڈائرکٹر ڈائرکٹر محکمہ تعلیم، وزیر تعلیم و ریاستی اقلیتی کمشنر کو درخواستیں دی گئیں لیکن پھر بھی اردو کی تعلیم کا انتظام نہ ہوا بلکہ پرنسپل صاحب مذکور نے یہ لکھ دیا کہ ہمارے یہاں اردو پڑھانے کے لیے کمرہ نہیں ہے اس لیے انتظام نہیں ہو سکتا حالانکہ ایک ہفتہ میں صرف چار پیریڈ کا معاملہ ہے ۱۶ طلبہ برآمدہ کے کسی گوشہ میں بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں اردو کی مخالفت میں پرنسپل صاحب مذکور اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ گورنمنٹ کی طرف سے اردو کی تعلیم کے لیے جو امدادی رقم ملی تھی اسے بھی واپس کر دیا۔ (حفیظ الرحمن عظامی گورکھپوری)

بہار اسٹیٹ اردو کنونشن کا عارضی التواء

پٹنہ ۸ر مارچ بہار اسٹیٹ اردو کنونشن کی مجلس استقبالیہ کی ایک نشست کل زیر صدارت جناب نثار احمد خاں انجمن اسلامیہ ہال میں منعقد ہوئی

جس میں کنونشن کے ابتدائی انتظامات اور انعقاد کے دوسرے مسائل پر غور کیا گیا اس سلسلہ میں ریاستی انجمن ترقی اردو کی شاخوں کے خطوط اور پیغاموں پر غور کیا گیا جس میں ہولی کی وجہ سے آمد و رفت کی دقتوں اور دوسری ناگزیر وجہوں سے تاریخ میں توسیع کی درخواست کی گئی نیز ہولی کی تعطیل کی وجہ سے بہت سے اہم عناصر کی عدم شرکت پر غور کیا گیا اور طے پایا کہ عارضی طور پر تاریخ ملتوی کر دی جائے لیکن انتظامات کے کاموں کا سلسلہ جاری رکھا جائے اور اس عرصہ میں فنڈ کی فراہمی کا کام ہوتا رہے۔

مجلس استقبالیہ کی دوسری نشست آج وسیع پیمانہ پر ممبران کی شرکت کے بعد منعقد ہوئی جس میں کل کے فیصلے کے ہر پہلو پر غور کیا گیا اور مجلس استقبالیہ کے سابقہ فیصلوں کی تصدیق ہوئی جس میں مجلس استقبالیہ کے صدر کو مجاز کیا گیا کہ کنونشن کے صدر پنڈت سندر لال اور ڈاکٹر سید محمود صاحب ایم۔ پی کو التواء کے اسباب سے آگاہ کر دیا جائے اور ماہ رواں کے آخر ہفتہ میں کوئی مناسب تاریخ ہر دو حضرات سے طلب کر لیجیے۔

آج کی نشست میں ہر طبقہ کے سربرآوردہ حضرات کافی تعداد میں شریک تھے۔

(عبدالمنان آفس سکریٹری)

انجمن ترقی اردو شاخ گوالیار کی تجدید

گوالیار، ۲۴ر فروری انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش کی گوالیار شاخ کی تجدید کے سلسلے میں ایک جلسہ جناب سید حامد علی شاہ صاحب سابق منسٹر مدھیہ پردیش کے دولتکدے پر جناب قاضی ریاض الدین صاحب انصاری کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں انجمن مذکور کی مجلس عاملہ کے عہدہ داروں اور ممبروں کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ کثرت رائے سے مندرجہ ذیل عہدہ داران منتخب کئے گئے۔

سرپرست:۔ (۱) جناب سید حامد علی شاہ صاحب
(۲) جناب قاضی ریاض الدین صاحب انصاری (۳) جناب نوتن کمار صاحب جیننگ ڈپٹی ایس ای گوالیار ریجن

صدر:۔ جناب پنڈت وشوناتھ صاحب کول

نائب صدر:۔ (۱) جناب پریم چند کشیپ ایم۔ ایل۔ اے
(۲) جناب خضر محمد خاں صاحب (۳) جناب موتی لال صاحب شرما ایڈوکیٹ
(۴) محترمہ فاطمہ بیگم صاحبہ

جنرل سکریٹری:۔ (۱) جناب وقار احمد صاحب صدیقی

سکریٹری:۔ (۱) جناب اسلام الدین صاحب قریشی
(۲) جناب عبدالشکور صاحب

خازن:۔ (۱) جناب حاجی شمشاد احمد خاں صاحب

ممبران:۔ (۱) ڈاکٹر شری رام شرما، پرنسپل سیا...
(۲) جناب کاشی ناتھ گپتا ایڈوکیٹ
(۳) جناب مظہر علی شاہ ایڈوکیٹ
(۴) جناب رام ولاس شرما
(۵) جناب ندا فاضلی
(۶) جناب نسیم فرحت
(۷) جناب گلشن گوالیاری
(۸) جناب نیلا مبر ڈیکر

مجلس عاملہ کے انتخاب کے بعد مندرجہ ذیل تجاویز پیش کی گئیں جن کی رو سے طے پایا کہ۔

(۱) صدر کو تین مزید ممبران نامزد کرنے کا اختیار ہوگا۔
(۲) گوالیار ریجن کے دیگر اضلاع اور ایسے مقامات میں جہاں اردو جاننے والوں کی خاص تعداد ہو انجمن کی شاخیں قائم کی جائیں۔
(۳) ان مقامات پر شاخیں قائم کرنے کے کچھ عرصے بعد ایک ریجنل اردو کانفرنس منعقد کی جائے جس میں تمام شاخوں کے نمائندے شرکت کریں اور اس ریجن کے ادبی اور تعلیمی مسائل پر غور و خوض اور مشورہ کرنے کے بعد ہر شاخ اردو کی بقا اور ترقی کے لیے سرگرمی کے ساتھ عملی جد و جہد کرے۔

(وقار صدیقی جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش شاخ گوالیار)

انجمن ترقی اردو راجستھان کے جدید انتخابات

انجمن ترقی اردو راجستھان کی مجلس عاملہ نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کے جدید انتخابات تین سال کے لیے ۲۵ر اپریل ۱۹۷۵ء کو کئے جائیں گے۔ ان انتخابات کے لیے ریٹرننگ آفیسر سید احمد علی شاہ صاحب۔ قمر جعفری۔ آئی۔ اے۔ ایس۔ ریٹائرڈ کمشنر راجستھان مقرر ہوئے ہیں۔ انتخابات کے متعلق

تفصیلی حالات و قواعد وغیرہ شاخ مذکور جداگانہ شایع کر رہی ہے۔ راجستھان کے اردو دوستوں کے لیے ضابطہ کی پابندی کے ساتھ انتخابات میں حصہ لینے کا اچھا موقع ہے۔

(اسسٹنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان)

انجمن ترقی اردو مرادآباد کی ایک میٹنگ

انجمن ترقی اردو اتر پردیش شاخ مرادآباد کی مجلس انتظامیہ کا جلسہ زیر صدارت سید نصیر الحسن صاحب ۸ مارچ ۱۹۶۵ء شوکت باغ میں منعقد ہوا جس میں مندرجہ دو رزولیوشن بالاتفاق رائے پاس ہوئے۔

(۱) ڈاکٹر فریدی صاحب ایم۔ایل۔سی لکھنؤ نے اتر پردیش اسمبلی میں جو اردو زبان کے حق میں اقدام کیا ہے ان کو مجلس منتظمہ ترقی اردو اتر پردیش شاخ مرادآباد کا یہ جلسہ اس حقیقت پسندانہ جرات مندانہ قدم پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے اپنے پورے تعاون کا یقین دلاتا ہے۔ و دیگر ممبران اسمبلی و لیجسلیٹو کونسل سے اپیل کرتا ہے۔ کہ وہ بھی اردو زبان کی حمایت میں جو کہ ان کی اپنی ہی زبان اور ملکی یکجہتی کا ذریعہ ہے کوئی ٹھوس قدم اٹھائیں۔ تاکہ اردو کو ان کے اپنے گہوارہ میں جائز مقام حاصل ہوسکے۔

(۲) مجلس منتظمہ انجمن ترقی اردو مرادآباد کا یہ جلسہ حکومت ہند سے ملک کے اتحاد اور یکجہتی اور سالمیت کے نام پر اپیل کرتا ہے کہ موجودہ لسانی بحران کو ختم کرنے کے لیے ایک کنونشن ماہرین لسانیات ماہرین سائنس ہر شعبہ و ماہرین ٹکنالوجی ہر شعبہ ملک گیر پیمانے پر بلائے اور ان کی سفارشات کو پیش نظر رکھتے ہوئے در سیاسیات سے بالاتر ہوکر اس مسئلہ پر غور کرکے صحیح نتیجے پر پہنچے اور جلد از جلد ایک مستحکم قدم اٹھائے اور ملک میں مدراس کیرالہ کی تاریخ نہ دہرائی جاوے اور مزید یہ کہ دستور ہند کی روشنی میں اردو کا جائز مقام دیا جائے۔

تجویز نمبر ایک کی نقل ڈاکٹر فریدی صاحب کی خدمت میں بھیجی گئی۔

تجویز نمبر دو کی نقول وزیر اعظم ہند، صدر ہند کی خدمت میں روانہ کی گئیں۔

(ذکی) نصرت حسن ایڈوکیٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو اتر پردیش شاخ مرادآباد

لکھنؤ میں یاد نسیم

لکھنؤ ۲۷ فروری۔ یاد رفتگاں کا چوتھا پروگرام "یاد پنڈت دیا شنکر نسیم" ینگ سوشل سوسائٹی لکھنؤ کے زیر اہتمام شری محمد ظفر کی رہائش گاہ پر ہوا جس میں صدر جلسہ اور شری عبد الباری حیاسی اور شری احمد جمال پاشا نے نسیم کے محاسن بیان کیے۔ اور اسلم لکھنوی، شاد فیض آبادی، جوہر بہرائچی، معراج لکھنوی، امین سلونوی نے نظمیں پڑھیں۔

جلسہ میں ایک تجویز کے ذریعہ اتر پردیش سرکار کو اردو کے سلسلے میں توجہ دلائی گئی یہ تجویز سوسائٹی کے جنرل سکریٹری شری سلیم عمر نے پیش کی۔

(سلطان حیاسی۔ سکریٹری)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا۔